رپورتاژ

اقبالؒ پر ایک یادگار عالمی اجتماع

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

رازِ حرم سے شاید اقبال باخبر ہے
ہیں اس کی گفتگو کے انداز محرمانہ

ہندوستان اور اقبالیات کے تذکرے میں، ہندوستان کے دو شہروں بھوپال اور حیدر آباد کا حوالہ ناگزیر ہے جہاں حیات ان دونوں شہروں سے علامہ اقبال کا گہرا تا گوں ارتباط و تعلق قائم رہا۔

علامہ اقبال علاج کے لیے، سر راس مسعود کی دعوت پر کئی بار بھوپال گئے اور ہفتوں وہاں مقیم رہے۔ "ضرب کلیم" کی متعدد نظمیں اسی قیام کی یادگار ہیں۔ بھوپال سے ان کی لٹریری پنشن کا اجرا، ان کی قدر دانی و سرپرستی کے ساتھ ساتھ ان کی عظمت کا اعتراف بھی تھا۔ اسی اعتراف کے تسلسل میں جناب ممنون حسن خاں کی کاوشوں سے حال ہی میں بھوپال میں اقبال ادبی مرکز کا قیام عمل میں آیا، اقبال میدان تعمیر ہوا اور مینارۂ اقبال پر شاہین کا مجسمہ نصب کیا گیا۔ مزید برآں بھوپال یونیورسٹی میں اقبال چیئر کے قیام کی تجویز اور پچاس ہزار روپے کے اقبال ایوارڈ کا اعلان بھی اسی اعتراف اور اہل بھوپال کی اقبال دوستی کا مظہر ہے۔

بھوپال سے ایک "شخصی" تعلق کے مقابلے میں، حیدر آباد دکن سے علامہ کے ربط و ضبط کی بنیاد زیادہ تر "ذہنی" تھی۔ یہ درست ہے کہ بعض حیدر آبادی احباب کو علامہ اقبال سے خصوصی تعلق خاطر تھا، اور وہ بھی انہیں اپنا سچا اور مخلص دوست سمجھتے تھے، لیکن حیدر آباد ان کے نزدیک : ع عظمت دیرینۂ ہندوستاں کی یادگار ——— تھا۔ سرزمین دکن سے ان کی دلچسپی بقول سید نصیر الدین ہاشمی دو سبب سے تھی : "اوّل تو یہ کہ وہ حیدر آباد کو مغلیہ تہذیب و تمدن، مغلیہ ثقافت و حکومت کی نشانی تصور کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اردو کی ترقی کے سلسلے میں حیدر آباد جو کام کر رہا تھا، اس کی وجہ سے اقبال کو حیدر آباد سے بڑا اُنس ہو گیا تھا۔" (معیار ادب، بھوپال، اکتوبر ۱۹۵۲ء۔ ص ۲۳) بھوپال کے مقابلے میں اقبال کا قیام حیدر آباد نسبتاً کم اور مختصر تھا، لیکن اہل حیدر آباد نے وقتاً فوقتاً، ان سے محبت و عقیدت کا جس

عالمانہ انداز میں اظہار کیا، اور حیدرآبادی دانش وروں نے جس خلوص اور دلچسپی کے ساتھ مطالعۂ اقبال کا آغاز کیا اور پھر نہایت سنجیدگی کے ساتھ عالمانہ بنیادوں پر اس روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے جنوبی ہند کے اس مرکز میں اقبال شناسی کی شمع کو روشن کیا، اس کی روشنی میں حیدرآباد سے اقبال کا تعلق استوار تر نظر آتا ہے۔

حیدرآباد کے دانش وروں میں قائدِ ملت نواب بہادر یار جنگ، پروفیسر غلام دستگیر رشید، ڈاکٹر یوسف حسین خاں ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، میر ولی الدین، پروفیسر ابوظفر عبدالواحد، خلیفہ عبدالحکیم، عزیز احمد، سید عبدالواحد معینی، پروفیسر عبدالقیوم خاں باقی، اشفاق حسین، پروفیسر عالم خوندمیری، ڈاکٹر غلام عمر خاں اور بہت سے دوسرے اقبال شناسوں کی ایک کہکشاں نظر آتی ہے۔ اقبال کا پہلا اردو مجموعۂ کلام "کلیاتِ اقبال" مولوی عبدالرزاق حیدرآبادی نے مرتب کیا۔ مضامین کا پہلا مجموعہ بھی دکن ہی کے ایک بزرگ تصدق حسین تاج کے ہاتھوں مدوّن ہوا، اور خطوطِ اقبال کا اولین مجموعہ بھی اسی سرزمین کے ایک نامور نقاد و محقق ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ کی توجہ اور کاوش سے شائع ہوا۔ برعظیم ہند و پاکستان میں غالباً حیدرآباد ہی کو یہ انفرادیت حاصل ہے کہ یہاں اقبال کے نام پر باقاعدہ درس کا سلسلہ جاری ہوا۔ بہادر یار جنگ، غلام دستگیر رشید، ڈاکٹر عالم خوندمیری، پروفیسر صلاح الدین اور محمد ظہیر الدین احمد کے درسِ اقبال نے حیدرآباد میں فکر اقبال سے دلچسپی اور اقبال فہمی کی ایک فضا پیدا کی۔ آج حیدرآباد کی نئی نسل کا اقبال سے غیر معمولی شغف، بڑی حد تک انہی محافل کا مرہونِ منت ہے۔ انہی اثرات کے تحت مختلف اوقات میں عوامی سطح پر بھی یومِ اقبال کی یادگار تقاریب منعقد ہوتی رہی ہیں۔

حال ہی عالمی اقبال سیمینار (۱۹-۲۱ اپریل ۱۹۸۶ء) بھی اسی روایت کے تسلسل میں منعقد ہوا۔ اس یادگار اجتماع کا اہتمام اقبال اکیڈمی نے کیا تھا۔ اکیڈمی حیدرآباد کے مخلص اقبال دوستوں کا قائم کردہ ایک غیر سرکاری ادارہ ہے (قیام ۲۸ جون ۱۹۵۹ء) اس کے اولین صدر ڈاکٹر عالم خوندمیری مرحوم تھے۔ ۱۹۷۲ء سے اکیڈمی اپنے موجودہ صدر سید خلیل اللہ حسینی کی راہنمائی میں فروغِ اقبالیات کے لیے سرگرمِ عمل ہے۔ تقسیم ہند خصوصاً سقوطِ حیدرآباد کے بعد اقبال شناسی کی روایت میں عارضی تعطل پیدا ہو گیا تھا کیونکہ اقبال سے وابستگی بعض حلقوں کی نظر میں رجعت پسندی اور فرقہ پرستی کی علامت قرار دی جانے لگی۔ ایسے نامساعد حالات میں حسینی صاحب نے اقبالیات کا علم بلند کیا، اور نوجوانوں میں مطالعۂ اقبال کا ذوق پیدا کیا۔ حسینی صاحب کے خیال میں اقبالیات کا فروغ ہندوستان میں کئی اعتبار سے ضروری تھا۔ ان کے بقول، "اقبال دوستی کا رجحان، اگر ہندوستان میں عام ہو جائے، تو ان لوگوں کے چہروں پر طمانچہ پڑے گا جو فرقہ پرست ہیں، اور جو مسلم دشمنی میں اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ بہت خوش ہیں کہ اقبال جلاوطن ہو گیا۔ ان فرقہ پرستوں کی مساعی کو ناکام بنانے کے لیے سلسلہ میں، اقبال دوستی بھی اہم عنصر ہوتی" (سووینیر اقبال سیمینار ۱۹۸۴ء، حیدرآباد) اقبال سے بے لوث محبت اور اقبال فہمی کے لیے ان کی مجاہدانہ مساعی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اقبال دوستوں کی

ایک فعال ٹیم تیار کر لی ہے ـــــ اقبال اکیڈمی کی اقبالیاتی سرگرمیاں متنوع اور ہمہ جہت ہیں۔ ماہانہ محفلِ اقبال، نوجوانوں اور طلبہ کے لیے دروسِ اقبال، نمائشِ اقبالیات، طلبہ کے تحریری، تقریری اور کوئز مقابلے اور سالانہ اقبال سیمینار کے علاوہ مجلّہ "اقبال ریویو" کی اشاعت (جو مالی دشواریوں کی وجہ سے باقاعدہ شائع نہیں ہو رہا۔ اکیڈمی نے ۱۹۷۴ء اور ۱۹۷۷ء میں وسیع پیمانے پر اقبال صدی کی تقاریب منائی گئیں۔

اکیڈمی نے بین الاقوامی سطح پر اپنی پہلی تقریب "عالمی اقبال سیمینار" کے نام سے ۱۸ تا ۲۱ اپریل ۱۹۸۹ء منعقد کی۔ اس کا پروگرام کئی ماہ پہلے بنایا گیا تھا۔ حیدرآباد کے مقامی علما اور دانش وروں (پروفیسر گیان چند، پروفیسر سراج الدین، ڈاکٹر معظم، ڈاکٹر مغنی تبسم اور وابستگانِ اکیڈمی (محمد ظہیر الدین احمد، یوسف اعظمی اور خواجہ ناصر الدین) کے علاوہ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے بہت سے نقاد اور اقبال شناس (آل احمد سرور، اسلوب احمد انصاری، ممنون حسن خاں، جگن ناتھ آزاد، تارا چرن رستوگی، ڈاکٹر عبدالحق، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، علی سردار جعفری، شمس الرحمٰن فاروقی، ڈاکٹر شکیل الرحمٰن، پروفیسر عبدالستار دلوی، پروفیسر آفاق احمد، ڈاکٹر گوپال ریڈی اور سید مظفر حسین برنی) بطور مندوب و مقالہ نگار شریک ہوئے ـــــ بیرونِ بھارت سے ڈاکٹر محمد السعید جمال الدین (مصر) اور ڈاکٹر صبری تبریزی (برطانیہ) تشریف لائے۔ دہلی میں زیرِ تعلیم روسی طالبہ مسز ایرینا مینکسی مینیکوف بھی بطور مندوب شامل ہوئیں۔ بنگلہ دیش اور ترکی کے مندوب آنے والے تھے، مگر نہ پہنچ سکے۔ پاکستان سے سات افراد کو دعوت دی گئی تھی۔ (ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال۔ پروفیسر محمد منور۔ ڈاکٹر جمیل جالبی۔ انتظار حسین۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل۔ عبدالرؤف عروج اور راقم الحروف) مگر عملاً عقیل صاحب اور راقم ہی شریک ہو سکے۔ سیمینار کے دوسرے روز کراچی سے محمد احمد خاں صاحب اور شاہ مصباح الدین شکیل صاحب بھی پہنچے اور بطور مندوب شریک ہوئے۔ دونوں اصحاب کا تعلق حیدرآباد سے ہے۔ دیگر مدعوین (خصوصاً ڈاکٹر جاوید اقبال، پروفیسر منور اور جمیل جالبی) کے نہ پہنچنے پر حیدرآباد کے اقبال دوست خاصے مایوس ہوئے۔ دور دراز سے بہت سے اصحاب کو پاکستانی مندوبین کی کشش کھینچ لائی تھی۔

۱۸ اپریل کے مقامی اردو اخبارات (سیاست، منصف، رہنمائے دکن) میں مندوبین کی آمد اور سیمینار کا مفصل پروگرام، نیز بعض افراد و اداروں کی جانب سے خیر مقدمی اعلانات و اشتہارات نمایاں طور پر شائع ہوئے۔

اکیڈمی نے اس موقع پر نمائشِ اقبالیات کا بھی اہتمام کیا تھا۔ اس میں کتب و رسائل اور مجلات و مخطوطے کے علاوہ تصاویر، دستاویزات نیز "نقشِ چغتائی" بھی رکھا گیا تھا۔ نمائش میں حیدرآباد کے آرٹسٹ شاہ علی کی ایک تصویر بھی دلچسپی کا مرکز تھی۔ جس میں اقبال کے ساتھ شاہین کو بھی دکھایا گیا تھا اور ہند و پاک کے قومی جھنڈوں کے پس منظر میں دوستی و تعاون کے جذبے کو اجاگر کیا گیا تھا۔ انھوں نے یہ تصویر ڈاکٹر جاوید اقبال کو پیش کرنے کے لیے

تیار کی تھی۔ نمائش کے اختتام پر جناب شاہ علی نے تصویر راقم کے حوالے کی تاکہ اسے جسٹس صاحب کو پہنچا دیا جائے۔ یوپی کے سابق گورنر ڈاکٹر بی گوپال ریڈی نے شام ۶ بجے نمائش کا افتتاح کیا۔ موصوف نے تیلگو میں اقبال کے منتخب کلام کا ترجمہ شائع کیا ہے۔

روزنامہ سیاست نے اپنے اداریے میں اس نمائندہ اجتماع کو "اقبال اور حیدرآباد فہمی اور اقبال کے پیام کو آگے بڑھانے کے لیے دانش وروں کی یکسوجہتی کونسل" قرار دیتے ہوئے توقع ظاہر کی کہ اس سیمنار کی وجہ سے چند روز تک حیدرآباد کی ادبی، علمی اور ثقافتی فضا پر اقبال شناسی اور اقبال فہمی کا غلبہ رہے گا۔"

افتتاحی تقریب نمائش کلب کے گاندھی میموریل ہال میں شام سات بجے شروع ہوئی۔ ہال کچھا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ہال کے اطراف میں اضافی نشستیں بھی لگائی تھیں اور بہت سے لوگوں کو احاطے میں کھڑے ہونے کی جگہ ہی ملی۔ اسٹیج پر ڈاکٹر گوپال ریڈی، سید مظفر حسین برنی (گورنر مہاراشٹر) جناب پی شیوشنکر (مرکزی وزیر تجارت) جناب این۔ ٹی راما راؤ (وزیر اعلیٰ آندھرا پردیش) جناب عابد علی خاں (مدیر سیاست) بطور صدر مجلس استقبالیہ اور نواب شاہ عالم خاں بطور نائب صدر استقبالیہ تشریف فرما تھے۔ اسٹیج سیکرٹری اقبال اکیڈمی کے سیکرٹری کرم رضا تھے۔ اسٹیج کے پیچھے علامہ اقبال کا ایک بڑا پورٹریٹ آویزاں تھا۔ اتفاق سے اس کے عین اوپر پنڈت جواہر لال نہرو کی تصویر نظر آ رہی تھی۔ یہ تصویر پہلے سے یہاں آویزاں ہوئی تھی۔

تقریب کا آغاز: "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ——" سے ہوا جسے فائن آرٹس اکیڈمی کے فنکاروں نے سازوں کی مدد سے گایا۔ "ہندی ہیں ہم" کے ٹکڑے کو بطور خاص اور بآواز بلند تین بار دُہرایا گیا۔ مدیر روزنامہ "سیاست" اور صدر مجلس استقبالیہ جناب عابد علی خاں نے خطبۂ استقبالیہ میں مندوبین اور مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے سیمنار کو اقبال شناسی کی سمت میں ایک سنگ میل قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ اقبال کسی مخصوص علاقے یا فرقے کے شاعر نہیں تھے۔ سارے مشرق کا دل ان کی شاعری میں دھڑکتا ہے، بلکہ ان کی شاعری ساری انسانیت کا ایک اہم ورثہ ہے۔ سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا آج بھی ہمارے دلوں کو گرماتا اور ہمیں ایک نئی قوت اور فکر کا پیغام دیتا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ "اقبال نے گرونانک، رام، گوتم بدھ، بھرتری ہری کو خراج عقیدت پیش کر کے نہ صرف مذہبی رواداری کا پرچار کیا، بلکہ اعلیٰ اقدار کو بھی اجاگر کیا جو سیکولرزم سے عبارت ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اقبال کے اس پیام کو مزید تقویت دی جائے۔" عابد علی خاں صاحب کے خطبے کا تالیوں سے خیر مقدم کیا گیا۔

اس کے بعد نواب شاہ عالم صاحب نے معزز مہمانوں کی گل پوشی کی۔ بعد ازاں خواجہ ناصر الدین نے سیمنار کے لیے بھارت کے صدر اور نائب صدر کے علاوہ بعض ایسی شخصیات کے پیغامات پڑھ کر سنائے، جو خود تو نہ آ سکے مگر انہوں نے سیمنار کی کامیابی کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا تھا۔ ان میں بھارت میں پاکستان کے سفیر ڈاکٹر جمیل

اینامیری شمل، ڈاکٹر گیبرئیل، شیلا میکڈونلڈ، ژاں ماریک اور سعید اختر درانی شامل تھے۔

اکیڈمی کے صدر جناب خلیل اللہ حسینی کا مضمون محمد ظہیر الدین احمد نے پڑھ کر سنایا۔ حسینی صاحب کئی ماہ سے علیل چلے آ رہے تھے اس لیے سیمینار میں شریک نہیں ہو سکے (بعد ازاں ایک اجلاس میں تھوڑی دیر کے لیے تشریف لائے۔

بھارت کی وزارتِ ڈاک و تار نے عالمی اقبال سیمینار کے موقع پر ایک خصوصی اقبال لفافہ جاری کیا تھا۔ اور یک وقت چار شہروں (حیدر آباد، بھوپال، دہلی اور بمبئی) سے اُسے مہر زد کرنے Cancellation کی اجازت دی گئی تھی۔ افتتاحی اجلاس میں لفافے کو مہر زد کیا گیا۔ یہ لفافہ جلسے کے باہر کاؤنٹر سے ڈیڑھ روپے میں دستیاب تھا۔

آندھرا پردیش کے وزیر اعلیٰ این ٹی راما راؤ کی مقبولیت کا اندازہ ان کی سہ لسانی تقریر سے بھی ہوا۔ انگریزی اور تیلگو میں مختصر تقریر کی اور کہا کہ اقبال صاحب نے اپنے اشعار میں اس ملک کی مٹی کی مہک اور ابنائے وطن کے چہروں کی چمک کو پیش کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے مخصوص لہجے میں کلام اقبال سنایا ــــ "ترانۂ ہندی" کے بعد انہوں نے "ہندوستانی بچوں کا قومی گیت" اور "نیا شوالہ" کے بعض اشعار لہک لہک کر پڑھے۔ ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ ان کی شخصیت کو عوامی مقبولیت حاصل ہے، اُن کے مخصوص ہندی زدہ لہجے نے محفل کو بہت شگفتہ بنا دیا۔ انہوں نے بعض مصرعے اس انداز میں پڑھے کہ سامعین کو لطف دے گئے:

جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا

مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا

خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

ان کی تقریر کا اختتام: "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" پر ہوا

سید مظفر حسین برنی نے اپنی تقریر میں اقبال کی حب الوطنی پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ اقبال کے افکار پر اسلامی اور مغربی فلسفے کے ساتھ ساتھ ہندوستانی فکر و فلسفے کا بھی اثر ہے۔ مگر افسوس کہ اس پر تاحال تحقیق نہیں ہو سکی ــــ برنی صاحب کی تقریر بیشتر انہی نکات پر مبنی تھی جو انہوں نے اپنی تصنیف "محب وطن اقبال" میں بیان کیے ہیں ــــ آخر میں انہوں نے فرمایا کہ اقبال ہماری مشترکہ میراث ہیں۔ مستقبل میں وہ "ایک عظیم ہندوستانی" کی حیثیت سے جانے جائیں گے۔

اقبال اکیڈمی نے گزشتہ سال سے اقبالیات پر نمایاں کام کرنے والوں کے لیے "اقبال ایوارڈ" جاری کیا

ہے۔ ۱۹۸۵ء کا ایوارڈ پروفیسر غلام دستگیر رشید کو پیش کیا گیا ـــــ افتتاحی تقریب میں ۱۹۸۶ء کے لیے دو ایوارڈز کا اعلان ہوا۔ ایک ڈاکٹر عالم خوندمیری کا ایوارڈ ان کی بیگم خدیجہ عالم نے وصول کیا۔ دوسرا ایوارڈ اقبالیات میں نمایاں علمی کام پر سید مظفر حسین برنی کو دیا گیا۔ یہ انعامات مرکزی وزیر تجارت جناب پی شیو شنکر کے بدست عطا کیے گئے ـــــ پی شیو شنکر نے اپنی تقریر میں سیمینار کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا اور کہا کہ آج، جبکہ مذہب کے مقدس نام پر خون خرابہ ہو رہا ہے، اقبال کا پیغام فرقہ آراؤں میں ہم آہنگی پیدا کر کے قومی یک جہتی کو مستحکم کر سکتا ہے۔

اختتامی اجلاس پر: عیر سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا کی لے غالب تھی۔ اور یہ ہندوستان کے مخصوص ماحول اور اقبال سے دلچسپی کے مخصوص نقطۂ نظر کے پیش نظر کچھ زیادہ باعث تعجب بھی نہ تھا ـــــ بعض بھارتی دانشور، اقبال کو جس زاویے سے دیکھتے ہیں اس کا ایک اظہار مقامی پرچے "نئے نکات" نے اپنے ۱۸ اپریل کے اداریے میں یوں کیا تھا ـــــ تقسیم کے بعد برصغیر پاک و ہند میں اقبال کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے اس نے لکھا: "اقبال کے رنگ نے ایک طرف فیض کو پیدا کیا، تو دوسری طرف علی سردار جعفری اور مجاز ناتھ آزاد کو ـــــ" انگریزی پرچے Citizen's Evening نے علامہ اقبال کو "قومی استحکام کا چیمپئن" قرار دیا روزنامہ "سیاست" نے "جواب شکوہ" کے اس شعر:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

کو بالکل ایک نئے اور مختلف سیاق و سباق میں پیش کرتے ہوئے لکھا تھا: "اس وارننگ سے قوم کو سبق سیکھنا ہے اور اجتماعی یک جہتی، کشادہ دلی اور بلند نظری کے لیے اقبال کے پیام پر عمل کی ضرورت ہے۔ سیمینار اسی قومی اور بین الاقوامی ضرورت کے تحت منعقد ہو رہا ہے۔ (اداریہ "سیاست" ۱۸ اپریل ۱۹۸۶ء)

۱۹ اپریل سے علمی جلسوں کا آغاز ہوا ـــــ پہلا جلسہ ڈاکٹر گوپال ریڈی کی صدارت میں تھا۔ انہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں نہایت پُرجوش انداز میں اقبال کو خراج عقیدت پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ ٹیگور اور اقبال عالمی سطح پر ہندوستان کے دو مسلمہ شاعر ہیں۔ جناب گوپال ریڈی نے کانگریس سے اپنی وابستگی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مجھ جیسے لوگ صرف شاعر اقبال کے مداح ہیں۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ اقبال نے پاکستان کا تصور دیا یا یہ کہ وہ پاکستان کے بانی تھے ـــــ ہم تو اسے ایک شاعر کے طور پر لیتے ہیں، اور بس ـــــ اسلام وغیرہ کے متعلق وہ جو کچھ کہتے ہیں، ہمیں اس سے دلچسپی نہیں ـــــ اب حکومت ہند بھی اقبال کا اعتراف کر رہی ہے اور خوشی کی بات ہے کہ اب اقبال کو آہستہ آہستہ صحیح طور پر سمجھا جانے لگا ہے ـــــ ڈاکٹر گوپال ریڈی نے ایک تجویز پیش کی کہ دو برس بعد، اقبال کی وفات کو پچاس سال ہو جائیں گے۔ ۱۹۸۸ء میں اقبال کی پچاسویں برسی نہایت اہتمام سے منائی

چاہیے اور اس سلسلے میں اقبال اکیڈمی اور دیگر اداروں کو ابھی سے تیاری کرنی چاہیے ـــــ گوپال ریڈی اقبال کے منتخب کلام کا تیلگو ترجمہ شائع کر چکے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ شکوہ / جواب شکوہ کا تیلگو ترجمہ بھی مکمل کر چکے ہیں جو عنقریب شائع ہوگا۔

علمی مجالس کا سلسلہ ۲۱ اپریل تک جاری رہا۔ بالعموم ساڑھے نو بجے سے ایک ڈیڑھ بجے تک بعد دوپہر تک اور پھر تین بجے سے چھ بجے تک اجلاس رہتے ـــــ ہر مقالے کے بعد ان پر بحث و تمحیص ہوتی اور آخر میں مقالہ نگار کو وضاحت کا موقع دیا جاتا۔ بحثوں میں زیادہ تر مندوبین ہی نے حصہ لیا۔ مختلف نشستوں کو بعض موضوعات سے مختص کیا گیا تھا، مثلاً: "اقبال کا تصورِ تہذیب اور مذہبی شعور" ـــــ "عصری ہندوستان میں اقبال کی معنویت" ـــــ "اقبال کی شعری شخصیت اور اسلوبیاتی مطالعہ" ـــــ "اقبال کی شاعری میں علامہ، پیکر تراشی اور استعارے" ـــــ "بیسویں صدی کی ادبی روایت میں اقبال کا مقام" ـــــ "مطالعۂ اقبال کے مختلف رجحانات"۔ وغیرہ

بحثوں میں بحیثیت مجموعی دو تین موضوعات زیادہ نمایاں رہے ـــــ ایک تو "اقبال اور پاکستان" کا موضوع تھا جو مختلف اوقات میں زیرِ بحث آیا۔ اقبال کے مکاتیب بنام تھامسن کے حوالے سے بعض اصحاب نے اس پر زور دیا کہ اقبال تقسیمِ ہند کے حامی نہیں تھے، اور انہیں زبردستی تصورِ پاکستان کا خالق بنا دیا گیا ہے ـــــ اس ضمن میں راقم نے ایک موقع پر یہ وضاحت کی کہ اقبال نے زندگی کے آخری دو ایک برس میں خود کو "جناح کا ایک ادنیٰ سپاہی" قرار دیتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کو جناح کی راہنمائی قبول کرنے کی تلقین کی تھی، اور یہ بات انہوں نے آخری ایام میں اپنے خطوں، گفتگوؤں اور بیانات میں تواتر و تسلسل کے ساتھ کہی۔ اس وقت جناح متحدہ قومیت کے لیے نہیں، مسلم تشخص کے لیے کام کر رہے تھے۔ گویا اقبال مسلمانوں کو بالواسطہ راہِ پاکستان پر گامزن ہونے کی تلقین کر رہے تھے ـــــ پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے اس بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا کہ اس مسئلے پر ہندوستانی دانشوروں کا موقف درست نہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ اقبال مسلم تشخص پر زور دیتے ہیں، جو بالآخر پاکستان پر منتج ہوا ـــــ ہمیں بے جا تاویلات سے گریز کرتے ہوئے یہ بات مان لینی چاہیے کہ اقبال مسلمانوں کے لیے پاکستان کی صورت میں علیحدہ وطن چاہتے تھے ـــــ جناب علی سردار جعفری نے تو اس سے بھی زیادہ کھل کر اور قدرے سخت لہجے میں کہا کہ پاکستان بن چکا ہے اور ہمیں پاکستان کو ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کر لینا چاہیے ـــــ یہ بحث کہ اقبال پاکستان کا قیام چاہتے تھے یا نہیں، بالکل لغو اور بے کار ہے ـــــ اس پر جعفری صاحب کو زوردار تالیوں کی صورت میں داد ملی۔

اقبال کی شاعری کے فنی، اسلوبیاتی اور لسانی پہلوؤں کا مطالعہ، بجا طور پر نقادوں کا مرغوب موضوع ہے۔ بعض تو "مفکرِ اقبال" سے کاملاً صرفِ نظر کرتے ہوئے محض "شاعرِ اقبال" پر کلام کرتے ہیں ـــــ ڈاکٹر عبدالحق (دہلی یونیورسٹی) کا مقالہ "اقبال کی فکر اور شعر میں معنوی ارتباط" اس ضمن میں متوازن نقطۂ نظر کا حامل تھا۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے بھی

اپنی صدارتی تقریر میں شاعر اقبال اور مفکر اقبال دونوں جہتوں کا ذکر کیا ـــــ لیکن شمس الرحمٰن فاروقی نے "اقبال کی شاعری میں استعارہ کے عمل کی دریافت" کے عنوان سے اپنی تقریر میں کہا کہ ہم نے اقبال کو جو کچھ سمجھا اور جانا ہے، وہ ان کی شاعری کے حوالے سے ہے ـــــ شاعر کے درجے اور پائے کا تعین استعارے کو برتنے پر ہوتا ہے ـــــ اس موضوع پر بحث میں کئی لوگوں نے جناب فاروقی سے اختلاف کیا، خصوصاً اسلوب احمد انصاری اور آل احمد سرور نے ـــــ سرور صاحب نے بڑی پتے کی بات کی۔ انہوں نے فرمایا: محض علامتیں کسی شاعر کی عظمت کی دلیل نہیں۔ اقبال علامہ شاعر ہونے کے ایک بڑے دانشور بھی تھے اور ان کی شاعری میں دانش وری کی وجہ سے آب و تاب آئی ـــــ سرور صاحب نے سیمینار میں مقالہ بھی پیش کیا اور ایک نشست کی صدارت بھی کی۔ بعض موضوعات پر بحثوں میں حصہ لیا ـــــ ایک روز شام کی نشست کے بعد انہوں نے ازراہِ شفقت مجھے یاد کیا۔ اس نشست میں اقبالیات کے متفرق مسائل و موضوعات پر ان سے مفصل گفتگو رہی۔ ان کی دلچسپ اور پُر مغز باتیں حقیقی معنوں میں ایک عالم اور پروفیسر کے شایانِ شان تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ سال رواں کے اختتام پر وہ اقبال انسٹی ٹیوٹ سری نگر سے سبکدوش ہو کر مستقلاً علی گڑھ میں مقیم ہو جائیں گے اور اپنے ناتمام علمی منصوبوں کی تکمیل کریں گے، جن میں اقبال پر اپنے تنقیدی مقالات کی ترتیب و تدوین سب سے اہم ہے

علمی مجالس میں پیش کیے جانے والے مقالات اور ان پر بحثوں میں فکرِ اقبال کے بارے میں "ترقی پسندانہ" نقطۂ نظر بھی سامنے آتا رہا ـــــ ڈاکٹر معین الدین عقیل کے مقالے "اقبال کے معاشی تصورات کا مذہبی پہلو" پر حسبِ توقع جناب علی سردار جعفری نے کچھ کلام کیا۔ مگر عقیل صاحب نے وضاحت کی انہوں نے جو کچھ کہا ہے، وہ سب اصلاً اقبال کی تحریروں اور بیانات پر مبنی ہے، بلکہ بیشتر انہی کے الفاظ میں کہا ہے، اپنی طرف سے کوئی تاویل نہیں کی۔ خواجہ ناصر الدین نے اس بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا کہ اسلامی معاشی نظام پر عمل کیا جائے، تو انسان کے پاس وہ سب کچھ باقی نہیں رہتا، جسے انسان سے چھین لینے کی ضرورت ہو (جعفری صاحب نے فرمایا تھا کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت ہوگی، اور وہ کسی کے پاس زائد ہوگی تو میں یہ چیز چھین لوں گا۔) علامہ اقبال کے بارے میں اردو کے جید ترقی پسند نقادوں کے رویے کا بھی ذکر آیا۔ ۲۰ اپریل کو شام کے اجلاس میں روسی مندوب مسز ارینا نے روس میں اقبال شناسی پر مختصر گفتگو کی، جو اس موضوع پر بہت ناکافی، ادھوری اور تشنہ تھی۔ یہ مقالہ راقم کی صدارت میں پڑھا گیا تھا۔ میں نے صدارتی گفتگو میں کہا کہ روس میں اقبالیات کے موضوع پر کہیں زیادہ تفصیل سے مطالعہ کی ضرورت ہے اور اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ اقبال کے باب میں ترقی پسندوں کا رویہ تبدیل ہو رہا ہے۔ ہمارے ترقی پسند نقادوں نے، جن میں اختر حسین رائے پوری، مجنوں گورکھپوری، ممتاز حسین اور خود جناب علی سردار جعفری شامل ہیں (جعفری صاحب اس اجلاس میں تشریف فرما تھے) ایک زمانے میں اقبال کو رجعت پسند، فسطائیت نواز اور خطرناک احیائی میلانات کا علمبردار قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کی تھی۔ حال ہی میں ایک روسی مصنف نے برصغیر کے ترقی

پسندوں کے متذکرہ رویے کو غیر حقیقت پسندانہ اور احمقانہ قرار دیتے ہوئے اسے رد کر دیا ہے اور نئے زاویوں سے مطالعۂ اقبال کی سفارش کی ہے ـــــ دوسرے روز قبل دوپہر کی نشست میں جناب علی سردار جعفری نے اپنی تقریر کے دوران میں میری اس بات کے حوالے سے، اقبال کے بارے میں ترقی پسند تنقید کی وضاحت کی اور کسی قدر اس کا جواز بھی پیش کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ ایک زمانہ تھا جب ہم نے اقبال سے اختلاف کیا، مگر ہم ان کا احترام کرتے تھے۔ اور اس احترام میں کبھی کمی نہیں آئی ـــ جہاں تک اختر رائے پوری کا تعلق ہے، وہ ان کی طالب علمی کا زمانہ تھا ـــ پھر یہ ایک فطری بات ہے کہ ہر بڑی شخصیت یا تحریک، جب میدان میں آتی ہے تو اپنا راستہ بنانے کے لیے اپنے راستے کی رکاوٹوں کو توڑنا چاہتی ہے ـــ اقبال نے حافظ پر تنقید کی اور ترقی پسندوں نے بھی اقبال پر تنقید کی ضرورت اسی لیے محسوس کی ـــ اس موقع پر جعفری صاحب نے اپنی ۱۹۴۳ء کی ایک نظم کے چند اشعار بھی سنائے جن میں اقبال کی تحسین کی گئی تھی ـــ ۲۰ اپریل کو بعد دوپہر کا اجلاس جاری تھا کہ سید سبط حسن کے انتقال کی خبر پہنچی چنانچہ اجلاس کے دوران ہی پروفیسر آل احمد سرور اور علی سردار جعفری نے تعزیتی تقاریر کیں اور قرار دادِ تعزیت منظور کی گئی ـــ اس کے بعد اجلاس حسبِ پروگرام جاری رہا۔

سیمینار میں حاضرین اور سامعین نے غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا۔ سیمینار کے چاروں دنوں میں، ہر نشست کے دوران میں گاندھی ہال حیدر آباد اور مضافات سے آئے ہوئے اقبال دوستوں سے کھچا کھچ بھرا رہتا اور بعض دقیق بحثوں کے دوران بھی لوگ اشتیاق سے جمے بیٹھے رہتے۔ اختتامی اجلاس اور بعد کے چند جلسوں کی کارروائی شارٹ سرکٹ ٹی وی پر بھی دکھائی جاتی رہی۔ سیمینار کے مکمل وڈیو کیسٹ بھی تیار کیے گئے ـــ حاضرین میں خواتین اور طلبہ اور طالبات کی قابلِ ذکر تعداد موجود رہتی۔ حیدر آباد کے متعدد دانشوروں، پروفیسروں اور اقبال دوستوں سے وقفوں میں ملاقاتیں رہتیں۔ بعض حضرات دو دو تین تین سو کلو میٹر کے فاصلے سے سیمینار سننے کے لیے آئے ہوئے تھے، ان میں چند اپنی ملازمتوں سے رخصت لے کر آئے تھے۔ بیرونِ حیدر آباد سے آنے والوں میں بنگلور یونیورسٹی کے ایم اے اردو کے طلبہ و طالبات سے بھی ملاقات ہوئی۔

راقم الحروف، پروفیسر آل احمد سرور، محترم جگن ناتھ آزاد، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر عبد الحق، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، جناب علی سردار جعفری، ڈاکٹر محمد السعید جمال الدین، ڈاکٹر صغری تبریزی سے تو اس سے پہلے بھی بعض موقعوں پر مل چکا تھا، البتہ دیگر مندوبین سے پہلی بار ملاقات کی مسرت حاصل ہوئی۔ سیمینار میں ممنون حسن خاں صاحب کی آمد سب کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔ انھوں نے "اقبال اور دارالاقبال بھوپال" کے موضوع پر مقالہ پڑھا، اور ایک اجلاس کی صدارت بھی کی۔ وہ اپنی یادداشتوں کو کتابی صورت میں مرتب کر رہے ہیں۔ حیدر آباد سے واپسی پر خیال تھا کہ بھوپال میں ان سے بہ اطمینانِ خاطر ملاقات ہو گی، اور حضرت علامہ کے قیامِ بھوپال کے بارے میں بعض باتیں دریافت کروں گا

مگر افسوس کہ اس کا موقع نہ مل سکا۔ ان کی طبیعت ناساز تھی، اور انہیں زحمت دینا نامناسب معلوم ہوا ——— ڈاکٹر اوتار چرن رستوگی سے بھی پہلی بار ملاقات ہوئی۔ وہ ایک دلچسپ شخصیت کے مالک ہیں۔ سیمینار کے افتتاحی اجلاس میں عابد علی خاں صاحب نے خطبۂ استقبالیہ میں یہ انکشاف کیا تھا کہ ڈاکٹر رستوگی، علامہ اقبال کے خاص شاگردوں میں رہے ہیں۔ اقبال سے ان کی شاگردی کا ذکر بعد ازاں اخبارات میں بھی ہوا، اور کئی موقعوں پر اسٹیج سے بھی اُسے دُہرایا گیا ——— آخر ایک روز اثنائے گفتگو میں نے پوچھا، رستوگی صاحب، کیا واقعی آپ علامہ کے شاگرد رہے ہیں؟ اور کس زمانے میں؟ فرمانے لگے ارے صاحب۔ یہ بات بس یوں ہی چل نکلی ہے۔ میں نے عرض کیا: آپ اس کی تردید کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا: اب کون اس کی تردید کرتا پھرے ——— میں نے مسکراتے ہوئے عرض کیا: بجا فرمایا۔ تردید تو صرف ناخوشگوار باتوں کی کرنی چاہیے۔

پروفیسر اسلوب احمد انصاری کی کم گوئی، انکسار اور تبسم رتمکین شخصیت نے متاثر کیا۔ مجھے وہ صحیح معنوں میں ایک اقبالی عالم محسوس ہوئے۔ انہوں نے مختلف مواقع پر بڑی جرأت اور صاف گوئی سے اقبال کے فکر کی ترجمانی کی۔ یوں تو ان کا مقالہ بھی فکر انگیز تھا، مگر اپنے صدارتی خطبے میں انہوں نے ڈاکٹر انور معظم کے مقالے "اقبال کا تصورِ تہذیب" پر بحث کی بات کہی کہ اقبال کے تصورِ تہذیب کے بجائے ان کے مذہبی شعور پر گفتگو زیادہ مناسب ہوگی کیونکہ تہذیب کی جڑیں فی الحقیقت مذہب کے اندر پیوست ہوتی ہیں ——— سری نگر کے ڈاکٹر شکیل الرحمٰن، بھوپال کے پروفیسر آفاق احمد اور بمبئی یونیورسٹی کے پروفیسر عبدالستار دلوی سے غائبانہ تعارف تھا، مگر سیمینار کی بدولت ملاقات بھی ہوگئی۔ یہ ملاقاتیں اچانک ہوئی تھیں لیکن خوشگوار ثابت ہوئیں ——— "اقبال آئینہ خانے میں" کے مؤلف پروفیسر آفاق احمد کے لطف و کرم سے بھوپال میں بھی بہرہ اندوز ہوا ——— کیرالہ کے عمر کٹی صاحب نے یہ انکشاف کیا کہ وہ دس سال پہلے اقبال کے خطبات کا ملیالم میں ترجمہ کر چکے ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی کی تحریروں کے حوالے سے ان کا جو تصور ذہن میں تھا، وہ اس سے خاصے مختلف نکلے۔ مجھے ان سے مل کر ایک گونہ اپنائیت کا احساس ہوا۔ نئے لوگوں سے پہلی ملاقات میں کم ہی ایسا ہوتا ہے۔ مقامی منصوبین اور مقالہ نگاروں ڈاکٹر انور معظم، مغنی تبسم، پروفیسر سراج الدین، اور ڈاکٹر گیان چند سے ملاقات ہوئی اور ان کے مقالے بھی سُنے۔ ڈاکٹر گیان چند نے ۱۹۰۸ء تک کے کلام اقبال کو زمانی ترتیب سے ایڈٹ کیا ہے۔ وہ مقالہ پڑھنے سیمینار میں آئے تو انہوں نے مفصل ملاقات کی خواہش ظاہر کی، میں خود اُن سے تفصیلاً ملنا چاہتا تھا مگر افسوس کہ دوبارہ نہ مل سکا۔ ان کی رہائش خاصی دور تھی، اور مجھے اُن تک پہنچنے کے لیے کوئی گائیڈ نہ ملا، نیز ٹائم میں فریکچر کے سبب ان کے لیے بھی آمد و رفت مشکل تھی۔ جناب رحیم قریشی، کریم رضا، محمد ظہیر الدین احمد، یوسف اعظمی، خواجہ ناصر الدین، وجیہ الدین احمد، اور بہت سے دوسرے دوست، سیمینار کو کامیاب بنانے کے لیے شب و روز سرگرم عمل رہے ——— سیمینار کی کامیابی میں ان کے رول کو یقیناً سراہا جائے گا۔

اقبال اکیڈمی کے وابستگان میں ایک شخصیت ایسی ہے، جس کا خصوصی تذکرہ اس لیے ضروری ہے کہ حیدر آباد کی

فضا کو ذکرِ اقبال کے لیے سازگار بنانے میں اس کی انتھک اور مخلصانہ مساعی کو بنیادی دخل ہے۔ سید خلیل اللہ حسینی اکیڈمی کے صدر اور بانی رکن ہیں۔ وہ عمر رسیدہ اور معذور ہیں مگر جوش و تشویق کا یہ عالم ہے کہ سیمینار کی ایک نشست میں شرکت کے لیے آئے۔ گاندھی ہال میں داخل ہوتے تو دو نوجوان انہیں تھامے ہوئے تھے۔ کارروائی روک کر انہیں اسٹیج پر بٹھایا گیا۔ وہ تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے گئے۔ اگلے روز میں اور عقیل ان کے ہاں حاضر ہوئے۔ ان پر فالج کا اثر تھا۔ ہم ان کی گفتگو پوری طرح نہ سمجھ سکے۔ انہوں نے ازراہِ محبت اپنی تصانیف عنایت کیں۔ حسینی صاحب ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہاتھوں میں لکھنے کی سکت نہیں مگر املا کراتے ہیں اور باوجود شدید معذوری کے تصنیف و تالیف کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ ان کی جانب سے ہر ماہ ایک گشتی مراسلہ ہزاروں کی تعداد میں لوگوں تک پہنچتا ہے۔

حیدرآباد کی ایک اور اقبالی شخصیت پروفیسر غلام دستگیر رشید سے بھی ہم نے ملاقات کی۔ خاصے عمر رسیدہ ہو چکے ہیں۔ وہ سیمینار میں تشریف نہ لا سکے تھے۔ عقیل صاحب اور میں برادرم وجیہ الدین احمد کی معیت میں ان کے مکان واقع ریڈ ہلز پر حاضرِ خدمت ہوئے۔ کوئی نصف گھنٹہ ملاقات رہی۔ انہوں نے اپنی گفتگو میں نواب بہادر یار جنگ، رضی الدین صدیقی اور بعض دوسرے اقبالی بزرگوں اور محافلِ اقبال کے حوالے سے اپنی یادوں کو تازہ کیا۔

سیمینار کے موقع پر شرکاء کی گرمجوشی سے احساس ہوا کہ اہلِ حیدرآباد اقبال کے دلی مداح ہیں اور ان سے گہری ذہنی وابستگی رکھتے ہیں ـــــ سیمینار کے دنوں میں اس عقیدت و محبت کا کئی طرح سے اظہار ہوتا رہا ـــــ روزنامہ "سیاست" میں جدہ میں مقیم چند حیدرآبادی اصحاب کی جانب سے ایک مراسلہ شائع ہوا جس میں سیمینار کا خیر مقدم کرتے ہوئے توقع ظاہر کی گئی تھی کہ اقبال سے اظہارِ عقیدت میں حیدرآباد کو بھوپال سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے، اور سیمینار کے علاوہ کچھ ایسے اقدامات کرنے چاہئیں، جن کی بنا پر حیدرآباد کو بھوپال پر سبقت حاصل ہو جائے۔ اسی جذباتی لگاؤ کا نتیجہ تھا کہ شاعرِ کی شب آندھرا پردیش کے وزیرِ اعلیٰ این ٹی راما راؤ نے اعلان کیا کہ ریاستی حکومت جلد ہی حیدرآباد میں اقبال کی ایک موزوں یادگار قائم کرے گی۔ سیمینار کے دوران میں علمی جلسوں کی مفصل روداد، مقامی اردو اخباروں میں شائع ہوتی رہی۔ البتہ انگریزی اخبارات میں افتتاحی اجلاس کے سوا سیمینار کی خبریں نظر سے نہیں گزریں۔ ۱۸ اپریل کو مقامی ہفت روزہ "نئے ملک" نے عالمی اقبال سیمینار نمبر شائع کیا۔ علاوہ ازیں ماہنامہ "شاداب" اور "سشگوفہ" نے بھی "اقبال نمبر" شائع کیے۔ مکتبہ "الکتاب" نے سید شکیل احمد کی نئی تصنیف "اقبال اور حیدرآباد" شائع کی، جس کی رسم اجرا ۱۹ اپریل کے علمی جلسے کے اختتام پر پروفیسر آل احمد سرور کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ سید شکیل احمد آندھرا پردیش کے آنند بھون میں اسسٹنٹ آرکیوسٹ ہیں۔ گزشتہ برس ان کی کاوش و تحقیق کے نتیجے میں علامہ اقبال پر نیا لوازمہ منظرِ عام پر آیا تھا۔ سیمینار کے دنوں میں مندوبین کے لیے کئی خیر مقدمی جلسے منعقد ہوئے، جن میں آندھرا پردیش اردو اکیڈمی کا استقبالیہ اہم تھا۔ نظام

کلب میں دو بار عشائیے دیئے گئے جن میں سے ایک کا اہتمام نواب شاہ عالم کی جانب سے کیا گیا تھا۔

۲۰ اپریل کو "شب اقبال" کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس میں متعدد فنکاروں نے کلام اقبال پیش کیا۔ صاحب سنگھ نے اپنے منفرد انداز میں نظم "خودی" سنائی اور سماں باندھ دیا۔ اسے بے پناہ داد ملی۔ اس سے ایک روز پہلے ادبی ٹرسٹ کے زیر اہتمام مشاعرہ ہوا تھا۔ اس ہند و پاک مشاعرے میں پاکستان سے حمایت علی شاعر اور قتیل شفائی بھی شریک ہوئے۔ مرکزی وزیر سیاحت پی شیو شنکر کی صدارت میں منعقدہ اس مشاعرے کی خاص بات یہ تھی کہ جب بشیر بدر مائک پر آئے تو سامعین نے انہیں سننے سے انکار کر دیا۔ بشیر بدر مسلم پرسنل لا کے مخالفین میں سے ہیں۔ مشاعرے میں دو اور مخالفین (علی سردار جعفری اور شہریار) بھی موجود تھے۔ ہنگامہ آرائی میں بشیر بدر کو جوتے بھی دکھائے گئے۔ ہر چند کہ انہوں نے مسلم پرسنل لاء کی مخالفت سے بری الذمہ ہونے کا یقین دلایا، مگر سامعین نے ایک نہ سنی۔ شور و غل اور "واپس جاؤ" کے نعرے اس حد تک بڑھ گئے کہ تینوں شعراء بغیر پڑھے، مشاعرے سے واپس جانے پر مجبور ہو گئے۔ اگلے روز جب علی سردار جعفری قبل دوپہر کے علمی اجلاس میں تقریر کر رہے تھے، اسی تسلسل میں ایک اور ناخوشگوار واقعہ پیش آیا جس کی حاضرین و منتظمین نے سختی سے مذمت کی۔

۲۱ اپریل کو بعد مغرب خصوصی اختتامی اجلاس میں مندوبین نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ چند روز پہلے طلبہ کے تحریری و تقریری اور کوئز مقابلے منعقد کیے گئے تھے۔ ان کے انعامات تقسیم کیے گئے۔ انعامات جیتنے والوں میں کئی ہندو طلبہ بھی شامل تھے۔ مندوبین کو یادگاری تحفہ Memento دیا گیا۔ بعض مندوبین کے وفور جذبات کا منظر دیدنی تھا۔ اکیڈمی کے صدر جناب خلیل اللہ حسینی کی خدمات کو سراہتے ہوئے ان کی صحت کاملہ کے لیے دعا کی گئی۔ یہ اجلاس رات دس بجے اختتام پذیر ہوا۔

بھارت میں اقبال پر یہ دوسرا عالمی اجتماع تھا۔ پہلی بین الاقوامی کانفرنس ۱۹۷۷ء میں دہلی میں سرکاری اہتمام سے منعقد ہوئی تھی (جس میں پاکستان سے ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر عبادت بریلوی، اور ڈاکٹر محمد معز الدین شریک ہوئے تھے) اب حیدر آباد دکن نے اقبال اکیڈمی کے توسط سے، بقول "سیاست" اپنے محدود وسائل و ذرائع کے باوجود ایسی "جرأت" کی تھی۔ یہ جرأت سچے اقبالی جذبے کے بغیر ممکن نہ تھی۔ اہل حیدر آباد بالخصوص اقبال اکیڈمی "اقبال عالمی سیمینار" پر ہدیۂ تبریک و ستائش کی مستحق ہے۔ ہندوستان میں فروغ اقبالیات کے لیے سیمینار کے دور رس اثرات مرتب ہوں گے۔